کیا موہن بھاگوت واقعی متحد ہندوستان چاہتے ہیں؟

عبدالماجد نظامی

ریشم باغ میں واقع ڈاکٹر ہیڈگوار سمرتی بھون میں منعقد ہونے والے “کاریہ کرتا وکاس ورگ-دیوتیہ” کے اختتامی پروگرام میں تقریر کرتے ہوئے راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے سربراہ موہن بھاگوت نے چند ایسی باتیں کہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے اعلیٰ قائدین جن میں نریندر مودی سرفہرست ہیں، ان سے بھاگوت خوش نہیں ہیں۔ وہ اس بات سے بھی ناخوش نظر آ رہے ہیں کہ نریندر مودی نے الیکشن کو جنگ کے میدان میں تبدیل کر کے اپوزیشن پارٹیوں کے خلاف حقائق اور تہذیب سے عاری باتیں کہیں جن سے سماجی افتراق و انتشار کی فضاء ہموار ہوتی ہے۔ موہن بھاگوت نے اپنے بیان میں کہا کہ سماج کے اندر مختلف جگہوں پر نزاعات جاری ہیں جو کہ اچھی بات نہیں ہے۔ اس تناظر میں انہوں نے منی پور میں ایک سال سے زائد مدت سے جاری تشدد و بے چینی کے ماحول کا خاص طور سے حوالہ دیا۔ انہوں نے کہا کہ منی پور گزشتہ ایک سال سے امن کے انتظار میں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ منی پور میں دس سال قبل امن کا ماحول تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بندوق کا کلچر وہاں ختم ہو چکا ہے۔ لیکن ریاست میں اچانک سے تشدد دیکھنے کو مل رہا ہے۔ اس کے بعد وہ حکومت کو مشورہ دیتے ہیں کہ منی پور کی صورتحال کو ترجیحی طور پر دیکھا جانا چاہیے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ انتخابات کی جملہ بازی سے باہر آیا جائے اور ان مسائل پر توجہ مرکوز کی جائے جو ملک کو درپیش ہیں۔ اسی طرح حالیہ انتخابات کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ نتائج سامنے آ چکے ہیں اور ایک سرکار بھی تشکیل پا چکی ہے، اس لیے “کیا ہوا، کیسے ہوا” جیسی غیر ضروری باتوں میں نہیں پڑنا چاہیے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ پر زور دے کر کہا کہ سرکار اور اپوزیشن کے درمیان اتفاق رائے پیدا کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے تاکہ عوام کا کام کیا جا سکے۔ ان کا کہنا تھا کہ انتخابات کا مقصد اکثریت کا حصول ہوتا ہے، اس اعتبار سے الیکشن کی حیثیت محض ایک مقابلہ کی ہے۔ یہ کوئی جنگ نہیں ہے۔ بھاگوت نے کہا کہ سیاسی پارٹیاں اور ان کے لیڈران ایک دوسرے کے خلاف زبان درازیاں کرتے وقت اس بات کو ذہن میں نہیں رکھتے ہیں کہ ایسی باتوں سے الگ الگ کمیونٹیوں کے درمیان تفرقہ پیدا ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اپنی ناراضگی اور دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ کئی بار سنگھ کو بھی ان جھگڑوں میں غیر ضروری طور پر گھسیٹ لیا جاتا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ کسی بھی الیکشن میں ہمیشہ دو پہلو ہوتے ہیں، اس لیے وقار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے جیت کی خاطر جھوٹ کا سہارا نہیں لینا چاہیے۔ لیکن ان تمام باتوں سے زیادہ جو چیز بھاگوت کی تقریر میں چونکانے والی تھی، وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے سیوکوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اسلام اور عیسائیت میں جو اچھائی اور انسانیت کی تعلیمات ہیں، ان کو گلے لگانا چاہیے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ تمام مذاہب کے ماننے والوں کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کو اپنے بھائی اور بہن کی طرح احترام کی نظر سے دیکھیں۔

روبرو

قارئین میں سے جو حضرات بھاگوت کے ذہن کو اور ان کی تقریر کے مدلولات اور رموز کو مزید گہرائی سے سمجھنا چاہتے ہیں، وہ ان کی پوری تقریر سن سکتے ہیں اور آزادانہ طور اپنی رائے قائم کر سکتے ہیں۔ اس کالم میں جستہ جستہ ان کی تقریر کے جو الگ الگ حصوں کو پیش کیا گیا ہے، ان کے ذریعہ چند باتوں پر روشنی ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس تقریر کا بنیادی پہلو تو یہ ہے کہ آر ایس ایس نے بھارتیہ جنتا پارٹی کو یہ واضح پیغام دیا ہے کہ وہ انتخابی جیت کی بنیاد پر خود کو سنگھ کے دائرہ سے بلند بنانے کی کوشش ہرگز نہ کرے۔ اس میں ظاہر ہے کہ بی جے پی کے قومی صدر جے پی نڈا کو صاف طور پر پھٹکار لگائی گئی ہے کیونکہ انہوں نے الیکشن کے دوران اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ وہ نظریاتی طور پر گرچہ سنگھ کے دائرہ میں گردش کرتے ہیں لیکن پارٹی اپنے طرز عمل اور فیصلہ سازی میں خود مختار ہے۔ بھاگوت نے اپنے بیان کے ذریعہ یہ بتادیا ہے کہ خواہ نریندر مودی ہوں یا نڈا دونوں خود کو سنگھ سے بلند کرنے کی غلطی نہ کریں کیونکہ انجام کار وہ بھی ایک عام “کاریہ کرتا” ہی ہیں۔ اس تقریر کے ذریعہ بھاگوت نے نڈا سے بھی زیادہ نریندر مودی کا قد چھوٹا کیا ہے جنہوں نے “وقار” و “تہذیب” اور سچائی و صداقت کی تمام حدود کو انتخابی ریلیوں کے دوران پھلانگ دیا تھا اور الیکشن کو جنگ کے میدان میں تبدیل کر دیا تھا۔ سنگھ پریوار کو نریندر مودی کا یہ انداز بالکل پسند نہیں آیا اور اسی لیے بھاگوت نے اعلانیہ طور پر اپنی ناخوشی کا اظہار کیا ہے۔ بھاگوت اس بات پر زور دینا چاہتے ہیں کہ سنگھ کے لیے اقتدار کا حصول بس ایک ذریعہ ہے، کوئی مقصود بالذات شئے نہیں ہے۔ اس کے برعکس نریندر مودی نے اپنے دس سالہ دور اقتدار میں ہر لمحہ یہ ظاہر کیا ہے کہ اقتدار ہی ان کی منتہا اور مقصد حیات ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے ہر چیز کو اپنی ذات اور شخصیت کے ارد گرد مرکوز کر لیا تھا۔ نریندر مودی کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ وہ خود کو اتنا بلند بنالیں کہ ہر فرد اور ہر تنظیم و ادارہ ان کے سامنے کوتاہ قد معلوم ہو۔ ایسا کرنا مودی کی ذات اور ان سے وابستہ افراد کے لیے تو مفید ہو سکتا ہے لیکن سنگھ پریوار کے نزدیک ملک کو ہندوتو کے نظریہ کے تحت متحد رکھنا اہم ہے یا یوں کہا جائے کہ کم سے کم اس بات کا دعویٰ سنگھ کرتا ہے۔ اب ایسے مقصد کے حصول کے لیے ظاہر ہے انہیں سماج کے الگ الگ طبقوں کو قریب کرنے اور تاریخی تنازعات سے باہر نکل کر ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینے کی کوشش کرنی ہوگی جس میں تاریخ ایک بوجھ بننے کے بجائے سمجھوتہ کی راہ ہموار کر سکے مگر نریندر مودی اپوزیشن پارٹیوں اور ملک کی اقلیتوں کے خلاف تہذیب سے گری ہوئی ایسی باتیں مستقل کرتے نظر آئے جن سے سماج میں اتحاد کے بجائے انتشار کا ماحول گرم ہوتا ہے اور ملک کی سالمیت خطرہ میں پڑتی ہے۔ بھاگوت دراصل اسی نقطہ پر زور دیتے نظر آ رہے ہیں کہ ماضی کی تلخیوں کو بھلا کر آپسی محبت و اخوت کے رشتہ کو پروان چڑھایا جائے اور تمام مذاہب و ادیان کے لوگ ایک دوسرے کا احترام کریں۔ اب دیکھنا یہ ہوگا کہ خود سنگھ پریوار کس حد تک ان باتوں پر عمل پیرا ہوتا نظر آتا ہے۔ اگر بھاگوت اپنی باتوں میں سنجیدہ ہیں تو انہیں اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ مسلم اور عیسائی اقلیتوں کے دین و مذہب اور طریقہ عبادت و طرز معاش و لباس کے خلاف زہر افشانی کے سلسلہ کو روکنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ سنگھ کی الگ الگ ذیلی تنظیمیں جو شب و روز انہیں نشانہ بناتی رہتی ہیں، ان پر قدغن لگانے کا انتظام کریں اور ان کے مقدس مقامات کے خلاف جاری معاندانہ رویہ میں بنیادی تبدیلی پیدا کریں۔ جہاں تک نریندر مودی اور ان کے سیاسی ہمنواؤں کا تعلق ہے تو اس ملک کے عوام نے انہیں یہ واضح پیغام دے دیا ہے کہ ان کی سیاست سے اس ملک کے لوگ اتفاق نہیں رکھتے ہیں۔ اب نریندر مودی پر ہے کہ وہ اس الیکشن کے نتائج کو مثبت ڈھنگ سے استعمال کر کے اپنی شخصیت کے منفی پہلوؤں کو بدل کر ملک کی سالمیت اور اتحاد کا ذریعہ بنتے ہیں یا اس کو منفی ڈھنگ سے استعمال کر کے اپنے خلاف تاریخ میں وہ باب رقم کرتے ہیں جو کسی بھی طرح سے روشن نہیں کہا جا سکتا۔ اتحادی حکومت کو چلانے کا ان کا یہ پہلا تجربہ ہے اور اسی لیے اس وقت کچھ کہنا مناسب نہیں ہوگا۔

(مضمون نگار روزنامہ راشٹریہ سہارا کے گروپ ایڈیٹر ہیں)

editor.nizami@gmail.com

> **بھاگوت نے اپنے بیان کے ذریعہ یہ بتا دیا ہے کہ خواہ نریندر مودی ہوں یا نڈا دونوں خود کو سنگھ سے بلند کرنے کی غلطی نہ کریں کیونکہ انجام کار وہ بھی ایک عام “کاریہ کرتا” ہی ہیں۔ اس تقریر کے ذریعہ بھاگوت نے نڈا سے بھی زیادہ نریندر مودی کا قد چھوٹا کیا ہے۔**

سہولتیں زیادہ مگر ووٹنگ کم

پنکج چترویدی

بھارت کی 18 ویں لوک سبھا کے لیے انتخابی عمل کی تکمیل کے ساتھ ہی ایک سوال پھر کھڑا ہوا کہ آخر بڑے شہروں میں رہنے والے بالخصوص متمول علاقوں کے لوگ ووٹ کیوں نہیں ڈالتے جبکہ ان کے علاقوں میں عوامی سہولیات، خوبصورتی اور شکایات پر توجہ حکومتیں ترجیحی بنیاد پر دیتی ہیں۔ دہلی ہو یا قومی راجدھانی خطے کے دو علاقوں فریدآباد اور گروگرام یا پھر ملک کے دوسرے بڑے شہر، ووٹنگ کے اعداد و شمار سامنے آئے تو یہ بات واضح ہوگئی کہ جن علاقوں میں زیادہ پڑھے لکھے اور خوشحال لوگ رہتے ہیں، وہاں سب سے کم ووٹنگ ہوئی ہے۔ لوک سبھا کے تحت جن اسمبلی حلقوں میں ترقی، صفائی اور شہری سہولتوں کے لیے سب سے زیادہ رقم خرچ کی جاتی ہے، وہاں کے لوگوں کو رائے دہی کے فریضے کی سب سے کم فکر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دولت مند طبقہ یہ سوچتا ہو کہ وہ سب سے زیادہ ٹیکس دیتا ہے، اس لیے اس کے علاقے میں سرکاری پیسے سے زیادہ دیکھ بھال ہونی ہی چاہیے۔ یہ سمجھنا ہوگا کہ کوئی صنعت کار یا تاجر زیادہ کماتا ہے تو اسی ممالک کے وسائل سے ہی کماتا ہے اور یہ تبھی ممکن ہے جب ملک میں جمہوریت ہے اور جمہوریت تبھی ہے جب زیادہ سے زیادہ لوگ اپنی پسند کی حکومت چننے میں تعاون دیں، ایک ووٹ کی شکل میں۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جو شہر جتنا بڑا ہے، جہاں ترقی اور عوامی سہولیات کے نام پر سرکاری بجٹ کا زیادہ حصہ خرچ ہوتا ہے، جہاں فی کس آمدنی وغیرہ اوسط سے بہتر ہے، جہاں سڑکیں، بجلی، پانی اور نقل و حمل دوسری جگہوں سے بہتر ہوتے ہیں، وہیں کے لوگ ووٹ ڈالنے نہیں نکلے۔ چنئی سینٹرل سیٹ میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اور خوشحال خاندان رہتے ہیں، وہاں ووٹنگ کا تناسب صرف 53.91 فیصد رہا۔ بنگلور سینٹرل اور ساؤتھ بھی تعلیم یافتہ، ملازمت پیشہ اور متمول لوگوں کے علاقے ہیں اور وہاں بالترتیب 52.81 اور 53.15 فیصد لوگ ہی ووٹ ڈالنے نکلے۔ یہی حال ممبئی ساؤتھ کا رہا جہاں ملک کے بڑے صنعتکار اور فلمی ستارے رہتے ہیں، یہاں ووٹنگ 47.7 فیصد ہی ہوئی جبکہ شہر کا سب سے صاف ستھرا اور جگمگاتا پارلیمانی حلقہ یہی ہے۔ حیدرآباد میں 45.07، بہادر پیٹ میں 47.4، ناملی میں 45.3 اور جبلی ہلز میں 45.65 فیصد ووٹنگ ہوئی۔

تجزیہ

راجدھانی دہلی میں لوک سبھا کی سات سیٹیں ہیں، جن میں نئی دہلی کو سب سے باوقار کہا جاتا ہے، کیونکہ یہاں صدر جمہوریہ سے لے کر بہت سے ممبران پارلیمنٹ، زیادہ تر اعلیٰ بیوروکریٹس، بڑے تاجر وغیرہ رہتے ہیں۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی اس سیٹ پر سب سے کم صرف 51.98 فیصد ووٹنگ ہوئی۔ اس میں بھی سب سے کم صرف 48.84 فیصد ووٹ سب سے دولت مند کہی جانے والی گریٹر کیلاش اسمبلی میں پڑے۔ دہلی میں سب سے زیادہ ووٹنگ شمال مشرقی دہلی میں ہوئی جس کا ایک بڑا حصہ بے گھر اور کچی کالونیوں پر مشتمل ہے۔ یہاں 62.87 فیصد ووٹ ڈالے گئے۔ دہلی کی واحد اول زمرے والی لوک سبھا سیٹ یہی ہے۔ ووٹنگ کے دن جب آسمان سے آگ برس رہی تھی تب سگنیچر برج کی طرف جانے والی سڑک سے جعفرآباد سے آگے کراول نگر روڈ تک ہر طرف سڑک پر ٹریفک بہت زیادہ تھا اور کوئی سایہ نہیں تھا۔ کیا عورت، کیا مرد لمبی قطاریں تھیں۔ ایک پولنگ اسٹیشن پر ووٹنگ کی رفتار اتنی سست تھی کہ لوگ ایک سے ڈیڑھ گھنٹے تک قطار میں کھڑے رہے۔ جب جمنا وہار کی مرکزی سڑک سے مصطفیٰ آباد میں داخل ہوتے ہی تنگ اور ٹوٹی پھوٹی سڑکیں، سڑک کے بیچوں بیچ کوڑے دان اور تعفن، تجاوزات، دونوں طرف کی تنگ گلیوں پر فسادات کے بعد نصب مضبوط دروازے، کم سے کم سہولتیں ہیں لیکن ووٹنگ میں کوئی کوتاہی نہیں۔ ایک بہتر کل کی امید یا جمہوریت پر یقین یا اسی پر امید کہ جو کچھ بھی ہو، ان غریب، محنت کش لوگوں نے جم کر ووٹ ڈالے۔ یہاں بھی سلیم پور، مصطفیٰ آباد، سیما پوری جیسی جھگی جھونپڑیوں والے علاقوں میں 60 فیصد سے زیادہ ووٹ ڈالے گئے جبکہ سرکاری عمارتوں اور متوسط طبقے کے تیمار پور میں صرف 54.58 فیصد ووٹ ڈالے گئے۔ جنوبی دہلی میں صرف 55.15 فیصد ووٹ پڑے اور اس میں بھی پالم کے علاوہ کہیں بھی ووٹنگ کی شرح 60 فیصد تک نہیں پہنچی۔ کالکاجی جیسی پرانی ایلیٹ اسمبلی میں سب سے کم 53.22 فیصد ووٹ ہی پڑے۔

چاندنی چوک لوک سبھا حلقے کی تنگ گلیوں والے مٹیا محل، بلی ماران، شکور بستی میں 60 فیصد سے زیادہ لوگ ووٹ دینے نکلے تو ماڈل ٹاؤن میں 49.80، شالیمار باغ میں 57.24 اور آدرش نگر میں 53.76 فیصد لوگ ہی گھر سے نکلے۔ یہاں بھی واضح طور پر دیکھا گیا کہ اونچے گھرانوں سے ووٹنگ کم ہوئی۔

ہریانہ کی دس سیٹوں میں سے جن دو جگہوں پر سب سے کم ووٹنگ ہوئی، وہ ہیں دہلی کی توسیع کہے جانے والے فریدآباد اور گروگرام۔ فریدآباد کے دیہی علاقے ہاتھن میں 70 فیصد، پلول اور پرتھلا میں 65 فیصد ووٹ ڈالے گئے، لہٰذا وہاں اعداد و شمار 60.20 تک پہنچ پائے، ورنہ فریدآباد شہر کی اشرافیہ کی بستیاں کہلانے والے علاقوں میں ووٹنگ 55 فیصد سے نیچے رہی۔ گروگرام سیٹ پر بھی نوح، پنہانا، پٹودی، بادشاہ پور جیسے دیہی علاقوں میں 65 فیصد سے زیادہ ووٹنگ ہوئی۔ یہاں شہر میں تو بمشکل 55 فیصد ہی ووٹ ڈالے گئے۔ غازی آباد اور نوئیڈا میں بھی ووٹ فیصد وہیں ٹھیک رہا جہاں ضرورت مند لوگوں کی گنجان آبادی ہے، ورنہ بھرے پیٹ کے محلوں نے تو مایوس ہی کیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا جمہوریت کے تحفظ کی ذمہ داری سماجی و معاشی طور پر کمزور لوگوں پر ہی عائد ہوتی ہے؟ اس کے بعد بھی جب ترقی، خوبصورتی اور نئی سہولتیں دینے کی بات آتی ہے تو ترجیح ان ہی علاقوں کو دی جاتی ہے جہاں کے لوگ کم ووٹ دیتے ہیں۔

ووٹنگ کو لازمی کرنا بھلے ہی فی الحال قانونی طور پر ممکن نہ ہو لیکن اگر دہلی این سی آر سے یہ شروعات کی جائے کہ ترقیاتی اسکیموں کے لیے ان ہی اسمبلی حلقوں کو ترجیح دی جائے گی، جہاں لوک سبھا کے لیے سب سے زیادہ ووٹنگ ہوئی تو شاید اگلی بار پاش علاقوں کے لوگ ووٹ کی لازمیت کو محسوس کر سکیں۔ سیاسی جماعتیں کبھی نہیں چاہیں گی کہ ووٹنگ زیادہ ہو، کیونکہ اس سے ان کے محدود ووٹ بینک کے اقلیت میں جانے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ کوئی بھی پارٹی الیکشن سے پہلے گھر گھر جا کر ووٹر لسٹ کی تجدید کا کام کرتی نہیں اور بی ایل او پہلے سے ہی کئی ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبے سرکاری ماسٹر ہوتے ہیں۔ ہماری جمہوریت بھی نسبتاً ایک ایسے مثالی انتخابی نظام کی منتظر ہے، جس میں کم از کم تمام ووٹرس رجسٹرڈ ہوں اور ووٹنگ ٹھیک طریقے سے ہونا یقینی بنایا جا سکے۔

pc7001010@gmail.com

> **سوال یہ ہے کہ کیا جمہوریت کے تحفظ کی ذمہ داری سماجی و معاشی طور پر کمزور لوگوں پر ہی عائد ہوتی ہے؟ اس کے بعد بھی جب ترقی، خوبصورتی اور نئی سہولتیں دینے کی بات آتی ہے تو ترجیح ان ہی علاقوں کو دی جاتی ہے جہاں کے لوگ کم ووٹ دیتے ہیں۔**

اقوال زریں

- ◀ ہر گناہ سے بچو کیونکہ گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غصہ نازل ہوتا ہے۔
- ◀ گناہ کے کام وہ مردہ مکھیاں ہیں، جو عطر میں لپٹی ہوئی ہیں۔

روزنامہ راشٹریہ سہارا
ROZNAMA RASHTRIYA SAHARA KANPUR

صنفی نابرابری کا خاتمہ ضروری

ہندوستان صنفی نابرابری کے ریکارڈ قائم کر رہا ہے۔ ایک تازہ سروے رپورٹ میں انکشاف ہوا ہے کہ ہندوستان صنفی نابرابری کے محاذ پر اس سال بھی دو زینے نیچے لڑھک آیا ہے۔ ورلڈ اکنامک فورم کی طرف سے جاری کردہ گلوبل جینڈر گیپ رپورٹ 2024 میں ہندوستان 146 ممالک میں 129 ویں نمبر پر ہے۔ گزشتہ سال ہندوستان کا مقام 127 تھا۔ ہندوستان کیلئے افسوسناک صورتحال یہ بھی ہے کہ اس کے 'پسماندہ' کہے جانے والے پڑوسی بنگلہ دیش، نیپال، بھوٹان اور سری لنکا کی پوزیشن اس معاملہ میں کہیں زیادہ بہتر ہے۔ بنگلہ دیش 99 ویں، نیپال 117 ویں، سری لنکا 122 ویں اور بھوٹان 124 ویں مقام پر ہے۔ عالمگیر صنفی مساوات سے متعلق اشاریہ یا گلوبل جینڈر گیپ انڈیکس (جی جی جی آئی) بنانے کیلئے چار پہلوؤں سے مرد اور عورت کے درمیان فرق کو جانچا جاتا ہے جن میں اقتصادی شرکت اور مواقع، تعلیم کا حصول، صحت و بقا نیز سیاسی تفویض اختیارات شامل ہیں۔ گزشتہ برسوں کے بالمقابل ان پہلوؤں پر ہندوستان کا اسکور کافی نیچے ہے۔ اس رپورٹ میں ہندوستان کی گرتی پوزیشن کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا گیا ہے کہ یہ زوال بنیادی طور پر تعلیم اور سیاسی اختیار کاری کی حیثیت میں گراوٹ کی وجہ سے آیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق اگرچہ ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ ثانوی تعلیم کے اندراج میں خواتین کا حصہ بڑھا ہے، لیکن یہ اتنا نہیں ہے کہ اس سے آبادی کے تناسب میں صنفی نابرابری کو مساوات کی سطح پر لایا جا سکے۔ مردوں اور عورتوں کی شرح خواندگی کے درمیان فرق بھی 17.2 فیصد کا ہے۔

اس کے علاوہ بھی تفصیل کے ساتھ کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ عورتوں کی صحت، ان کی سماجی-اقتصادی حیثیت اور مختلف میدانوں میں حصے داری میں، سیاسی فیصلے لینے میں خواتین کی شرکت، ایوان قانون ساز میں خواتین کی نمائندگی، معیشت و معاشرت میں خواتین کی بے توقیری جیسے عوامل کو اس زوال کی وجہ بتاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگر صورتحال میں رفتہ رفتہ بہتری کی کوشش بھی کی گئی تو ہندوستان کو صنفی مساوات کے قریب پہنچنے میں بھی ڈیڑھ صدیوں کا فاصلہ طے کرنا ہوگا۔

'بیٹی بچاؤ-بیٹی پڑھاؤ'، سوکنیا سمردھی یوجنا، پردھان منتری اجولا یوجنا، جننی سرکشا یوجنا، پردھان منتری سرکشت ماترتوا ابھیان، پردھان منتری ماتر وندنا یوجنا، جننی شیشو سرکشا کاریہ کرم وغیرہ جیسی کئی اسکیمیں اس صنفی تفاوت کو دور کرنے کیلئے کام کر رہی ہیں اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے ان کے اشتہارات بھی نظر آتے ہیں لیکن زمینی سطح پر ان کا نفاذ کہیں نظر نہیں آتا ہے۔ یہی صورتحال سیاسی سطح پر بھی ہے، کہنے کو تو پنچایتی راج اداروں میں خواتین کو 33 فیصد ریزرویشن دیا گیا ہے اور آئینی مجبوری کی وجہ سے ان پر خواتین ہی منتخب ہوتی ہیں لیکن عملاً یہ خواتین اپنے مرد سرپرستوں کی زیر نگیں ہوتی ہیں۔ ان 33 فیصد خواتین میں سے شاید ہی کوئی آزادانہ اور خود مختار طریقہ سے اپنے سیاسی اختیارات کا استعمال کر پاتی ہوں۔

خود کو مساوات مرد و زن کی سب سے بڑی علم بردار سمجھنے والی بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکمرانی میں خواتین کی یہ صورتحال انتہائی شرمناک ضرور ہے لیکن اسے غیر متوقع نہیں کہا جا سکتا ہے۔ خواتین کے مسائل پر حکمراں بھارتیہ جنتا پارٹی کا ٹریک ریکارڈ کبھی اچھا نہیں رہا ہے، خاص کر خواتین کے خلاف تشدد، بے حرمتی، بے توقیری اور خواتین کے سیاسی استحصال کے معاملہ میں اس نے نئے نئے ابواب قائم کیے ہیں۔ ایسوسی ایشن فار ڈیموکریٹک ریفارمز اور نیشنل الیکشن واچ کی ایک سابقہ رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ ہندوستان میں 134 موجودہ ایم پی اور ایم ایل ایز کو خواتین کے خلاف جرائم سے متعلق مقدمات میں الزامات کا سامنا ہے۔ ان میں بی جے پی کے موجودہ ممبران پارلیمنٹ اور ایم ایل ایز کی تعداد سب سے زیادہ 44 ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی اکثر مشاہدہ میں آیا ہے کہ خواتین کی عصمت دری اور ان پر تشدد کے مرتکبین و ملزمین کی حمایت میں بھی بی جے پی پیش پیش رہی ہے۔

2014 سے بی جے پی کی حکومت میں رہنے والے ملک کی خواتین کے ساتھ معاشرہ کا سلوک بھی تو قیر آمیز اور خیر اندیشانہ نہیں ہے۔ ملک کی زنانہ آبادی کو ہر شعبہ میں امتیاز کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ علمی اور معاشی سرگرمیوں میں مصروف رہنے والی خواتین سے بھی معاشرہ کا سلوک مؤدبانہ اور محترمانہ نہیں ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کی انسانی حیثیت پر بھی چوٹ پڑتی ہے۔ اقتصادی اور سیاسی فعالیت اور سرگرمیوں کی راہ پر چلنے والی خواتین جو کام کے ساتھ گھر کی بھی دوہری ذمہ داریاں ادا کرتی ہیں، ان کو اپنے گھروں میں وہ مقام بھی حاصل نہیں ہو پاتا ہے جس کی وہ مستحق ہیں۔

یہ صورتحال بدلے جانے کی ضرورت ہے۔ قانون فطرت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر ہم نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ نہیں کیا اور ایک انسان ہونے کی حیثیت سے ان کے معنوی کمالات کی راہیں نہ کھولیں تو نہ گھر ہی جنت بن سکتا ہے اور نہ ملک میں مثبت اور کارآمد تبدیلی کا کوئی امکان ہے۔ یہ کام فقط حکومت کی سطح سے نہیں بلکہ عام لوگوں کی شراکت چاہتا ہے۔ عالمگیر صنفی مساوات سے متعلق اشاریہ میں جو ممالک سربلند ہیں، ان کی ترقی کا راز بھی یہی ہے کہ حکومت کے ساتھ ساتھ معاشرہ بھی اپنی زنانہ آبادی کو کمتر سمجھنے کے بجائے ان کے ساتھ متوازن رویہ اختیار رکھتا ہے۔ ہمیں بھی یہ سمجھنا ہوگا کہ

مکالمات فلاطوں نہ لکھ سکی، لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا، شرار افلاطون

edit2sahara@gmail.com

آئینہ

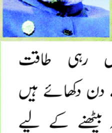

پہلے جیسی نہیں رہی طاقت
کیسے قدرت نے دن دکھائے ہیں
اب تو کرسی پہ بیٹھنے کے لیے
آپ بیساکھیوں سے آئے ہیں

اقبال فردوسی

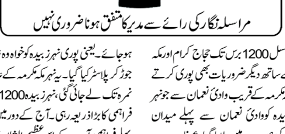

مراسلات

مراسلہ نگار کی رائے سے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

حجاج کرام کیلئے بنائی گئی تھی نہر زبیدہ

مکرمی!

دنیا کے کونے کونے سے مکہ مکرمہ کا رخ کرنے والے حجاج کرام کو مقامی لوگ “خدا تعالیٰ کا مہمان” نیز “خدا کا وفد” بھی کہتے ہیں۔ ان کی خدمت زمانہ جاہلیت سے عرب حضرات سعادت سمجھ کر کرتے آرہے ہیں اور آج بھی حتی المقدور اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ لیکن پوری اسلامی تاریخ میں ایک خاتون نے حجاج کرام کی خدمت کی جو مثال قائم کی ہے، اس کی مثال تاقیامت ملنی مشکل ہے۔ اس عظیم خاتون کو تاریخ میں “ملکہ زبیدہ” کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مکہ مکرمہ کی سرزمین چونکہ صحرا اور خشک پہاڑوں پر مشتمل ہے، اس لیے یہاں حجاج کرام کو قلت آب کا مسئلہ روز اول سے درپیش رہا ہے۔ اپنے شوہر خلیفہ ہارون رشید کے انتقال کے بعد ملکہ زبیدہ جب حج کے لیے آئیں تو مکہ مکرمہ میں پانی کی قلت کا نوٹس لیا اور حجاج کرام اور اہل مکہ کو درپیش آبی مشکلات اور دشواریوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تو انہوں نے مکہ میں ایک نہر بنانے کا ارادہ کیا۔ جب نہر کی کھدائی کا منصوبہ سامنے آیا تو بغداد واپسی پر مختلف علاقوں سے ماہر انجینئر اور آرکیٹیک بلوائے گئے اور مکہ مکرمہ میں پانی کا مسئلہ حل کرنے کا حکم دیا۔ ماہرین نے ملکہ کو سروے کے بعد رپورٹ دی کہ نہر کی منصوبہ بندی انتہائی مشکل کام ہے۔ تاریخ کے حوالوں میں ملکہ زبیدہ کا یہ جملہ مشہور ہے کہ “ہر قیمت پر نہر تعمیر کی جائے خواہ ہر کدال کی ضرب پر ایک دینار ہی کیوں نہ دینا پڑے؟” سترہ لاکھ دینار سے تیار شدہ اس پروجیکٹ نے مکہ میں قلت آب کا مسئلہ حل کر دیا۔ 800ء سے 1950ء تک مسلسل 1200 برس تک حجاج کرام اور مکہ مکرمہ کے باشندے اس نہر سے پانی پینے کے ساتھ دیگر ضروریات بھی پوری کرتے رہے۔ حاجیوں کیلئے پانی کی فراہمی کے لیے مکہ مکرمہ کے قریب وادیٔ نعمان سے جو نہر نکالی گئی وہ “نہر زبیدہ” کہلاتی ہے۔ نہر زبیدہ کو وادیٔ نعمان سے پہلے میدان عرفات، مزدلفہ اور پھر مکہ تک ایک ڈھلوان کی صورت میں لایا گیا۔ عرفات سے 10 کلومیٹر دور طائف کی طرف جبل کرا کے کے دامن میں وادیٔ نعمان واقع ہے۔ یہاں زمین میں پانی کی سطح خاصی بلند ہے، اس علاقے میں بارش کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ مصری ماہرین کی رپورٹ کے مطابق وادیٔ نعمان سے پانی پہلے عرفات لے جایا گیا، اس لیے کہ ڈھلوان کی شکل میں پختہ انڈر گراؤنڈ چینل بنایا گیا تاکہ پانی خود بخود بہتا ہوا جائے۔ پانی کا لیول یکساں رکھنے کے لیے کہیں یہ چینل نہر زمین سے اوپر ہے اور کہیں زمین سے نیچے، چینل کو پتھر اور چونے کی مدد سے پختہ کیا گیا تاکہ زمین سے حاصل شدہ پانی دوبارہ جذب نہ ہوجائے۔ یعنی پوری نہر زبیدہ کو خواہ وہ زمین سے اوپر ہے یا اندر، پتھروں کو چونے سے جوڑ کر پلاسٹر کیا گیا۔ یہ نہر مکہ مکرمہ کے علاقے عزیزیہ تک جاتی تھی، پھر وہاں سے مسجد نمرہ تک لے جائی گئی، نہر زبیدہ 1200 برس تک مشاعرہ مقدسہ اور مکہ مکرمہ میں پانی کی فراہمی کا بڑا ذریعہ رہی۔ آج کے دور میں ماہر آرکیٹک اور انجینئر حیران ہیں کہ صدیوں پہلے فراہمی آب کے اس عظیم الشان منصوبے کو کیسے تکمیل تک پہنچایا گیا۔ نہر زبیدہ کا منصوبہ اس وقت کے ماہرین نے 10 سال کے عرصے میں مکمل کیا۔ اس کی کل لمبائی 38 کلومیٹر ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اس منصوبے پر 170 ملین ڈالر دینار لاگت آئی تھی۔ آج اس کا حساب لگایا جائے تو ایک دینار 10 گرام سونے کے برابر ہوگی جو بہت بڑی رقم بنتی ہے۔ نہر زبیدہ 1950 تک چلتی رہی، بعدازاں پمپوں کے ذریعے پانی کھینچے جانے کے باعث خشک ہو کر بند ہوگئی۔ آج بھی اس کا ایک حصہ محفوظ حالت میں ہے۔ سروے کے بغیر اتنا درست حساب کیسے لگایا گیا؟ یہ نہر اونچے اونچے راستوں سے گھومتی ہے لیکن اس کا لیول برقرار رہتا ہے۔ اسی نہر کے ساتھ جبل رحمت پر ایک سبیل بنائی گئی، انجینئرنگ کی یہ خوبصورتی تھی کہ یہ اتنے درست لیول پر تھی کہ سبیل میں خود بخود پانی بھرتا تھا، مزدلفہ میں یہ نہر زبیدہ مسجد مشعر حرام کے قریب کنویں کی شکل میں تھی تو وہاں سے لوگ پانی نکالتے تھے، منیٰ کو بھی یہاں سے پانی فراہم کیا جاتا تھا، بعد میں نہر پر پمپ لگا کر پانی منیٰ تک پہنچانے کا بندوبست کیا گیا۔ منیٰ میں بھی حوض بنائے گئے، ایک اندازے کے مطابق نہر زبیدہ سے 600 کیوبک میٹر پانی روزانہ مکہ مکرمہ آتا تھا۔ 1950 تک یہ نہر چلتی رہی۔ آبادی بڑھی تو پانی کی ضرورت میں بھی اضافہ ہوا، انہوں نے پمپ لگا کر زمین سے پانی نکالنا شروع کیا، کئی مقامات پر چینل پمپ لگا کر پانی کھینچا گیا، اس کے نتیجے میں زمین میں پانی کا لیول گر گیا اور یوں نہر خشک ہوگئی۔

مولانا غیاث الدین دھام پوری -محلّہ بندوقچیان، دھام پور

نوٹ: ادارتی صفحے پر شائع مضامین میں مضمون نگاروں کے ذریعہ ظاہر کی گئی آراان کی ذاتی ہیں اور ادارہ اس کیلئے کسی طرح سے ذمہ دار نہیں ہے۔

ہمیں فخر ہے کہ ہم ہندوستانی ہیں
سہارا انڈیا ماس کمیونی کیشن کیلئے پرنٹر و پبلشر **ضیاء قادری** نے 123/474 کالپی روڈ، فضل گنج، کانپور-208012 سے شائع کیا۔
Published & Printed by **Zia Qadree**, on behalf of Sahara India Mass Communication and Printed at Rashtriya Sahara, 123/474, Kalpi Road, Fazal Ganj, Kanpur-208012 and Published From 123/474, Kalpi Road, Fazal Ganj, Kanpur-208012
ایڈیٹر اینڈ گروپ ایڈیٹر: **عبدالماجد نظامی** ■ ریزیڈنٹ ایڈیٹر: **حبیب الرحمٰن*** Editor & Group Editor: **Abdul Majid Nizami** (editor.nizami@gmail.com) Resident Editor: **Habibur Rahman** (habeebzaki@gmail.com)
For Editorial/News: rsahara1@gmail.com ■ **Advertisement (National):** ■ 0-9891773434, 9899452476 **Email:** adsahara@gmail.com
ای میل کانپور: simurduknp@gmail.com ٹیلی فون نمبر کانپور: 6394558077 سرکولیشن: 9451287201 www.roznamasahara.com
سال: 14 شمارہ نمبر: 4536 Roznama Rashtriya Sahara (Kanpur) R.N.I. No.UPURD/2011/38804
* اس شمارہ میں شامل شائع شدہ تمام خبروں کے انتخاب اور ایڈیٹنگ کیلئے ذمہ دار
روزنامہ راشٹریہ سہارا ○ حب الوطنی ○ فرض شناسی ○ ایثار